ڈاکٹر الماس خان
شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی ۔ لاہور
ڈاکٹر محمد افضال بٹ
شعبۂ اردو، الخیر یونیورسٹی۔ بھمبر

استعماریت اور پنجاب میں اردو شاعری کی نئی صورت گری

When British came into India they tried to strengthen their grip on literature and language like other matters and affairs of Hindustan. They established Fortwilliam College for this purpose. When they took over the Punjab they paid more attention on Punjab Studies. Anjuman-e-Punjab came into being in 1865 under the auspices of British rulers for different purposes. The objective of this study is to indicate the new shape of poetry which was deeply effected by Anjuman-e-Punjab.

مولانا الطاف حسین حالی کا شعر وہ آئینہ ہے جس میں استعمار کے زیرِ تسلط پنجاب میں اردو شاعری کی نئی صورت واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے ۔ یہ وہ شعر ہے جس میں مشرقی شعری روایت کی قدیم عمارت ڈھانے اور مغربی بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر کرنے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یہ شعر اس استعماری سوچ کا اظہار ہے جس کے تحت کالونیوں کی تہذیب، ثقافت ،علوم، رسوم ورواج، رہن سہن اور ادب سمیت ہر ایک چیز فرسودہ، غیر مہذب، ناشائستہ قرار پاتی ہے اور آبادکاروں کی تہذیب، ثقافت ،علوم، رسوم ورواج، رہن سہن اور ادب سمیت ہر چیز مہذب، شائستہ اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ قرار پاتی ہے۔ یہی وہ سوچ ہے جسے ذہنوں میں راسخ کر کے انگریزوں نے سرزمینِ ہندوستان پر قدم رکھا اور رفتہ رفتہ وہ سارے ہندوستان پر نہ صرف غالب آتے چلے گئے بلکہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد حکومت پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ہندوستان کے مختلف علاقے ان کے زیرِ تسلط آتے چلے گئے۔ پنجاب جسے 'پنج دریاؤں' کی سرزمین کہا جاتا ہے اور جس کا شمار ہندوستان کے زرخیز علاقوں میں ہوتا ہے خاص طور پر انگریزوں کی توجہ کا مرکز ٹھہرا۔ انگریز پنجاب میں رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی فتوحات سے ہرگز غافل نہ تھے۔ انہوں نے ایک زبردست سیاسی چال چل کر پہلے نصف پنجاب پر قابض ہونے کی منصوبہ بندی کی۔ مہاراجہ اور انگریزوں کے مابین ایک معاہدہ انجام پایا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر ممتاز گوہر لکھتی ہیں:

> ''چناچہ ۶ جنوری ۱۸۰۹ کو مہاراجا اور انگریزوں کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے ستلج کے اس طرف مہاراجا اور اس پار انگریزوں کے زیرِ حمایت والیانِ ریاست قرار پائے۔''(۱)

یہ وہ معاہدہ تھا جس نے پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کی راہیں ہموار کیں۔ رنجیت سنگھ کے عہدِ حکومت میں پنجاب میں سیاسی، تمدنی، علمی، ادبی ترقی ہوئی لیکن رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد پنجاب پر اس کے جانشینوں کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی ۔ بد انتظامی، انتشار، قتل و غارت گری اور لوٹ مار اہلِ پنجاب کا مقدر بن گئی۔ ایسے میں انگریز اہلِ پنجاب کے لیے 'مسیحا' ثابت ہوئے اور ۱۸۴۹ کو پنجاب حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔ کنہیا لال نے پنجاب پر انگریز کے تسلط کو ان کی مجبوری قرار

دیا ہے کہ انہوں نے انتشار اور بدانتظامی سے تنگ آ کر یہ قدم اٹھایا۔'تاریخ پنجاب' میں لکھتے ہیں

''چونکہ سلطنت کی بے انتظامیاں اور سکھوں کی سرکشی اور تمرد سے صاحبانِ انگریز کمال تنگ آ گئے تھے۔ بحالت مجبوری نواب گورنر جنرل ہند نے اس ریاست وسلطنت کی ضبطی کا حکم نافذ فرمایا اور ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ کو قلعہ لاہور میں بمقام تخت گاہ بڑا دربار قرار پایا''۔(۲)

لیکن اگر ۱۸۰۹ کے معاہدے اور پنجاب پر قبضے کی انگریزوں کی منصوبہ بندیوں کا جائزہ لیا جائے تو انگریزوں کی 'مجبوری' واضح ہوجاتی ہے۔سید محمد لطیف نے پنجاب پر انگریزوں کے تسلط کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''۱۴ مارچ ۱۸۴۹ کو شیر سنگھ مع اپنی ٹوٹی پھوٹی سپاہ کے جس کی تعداد اس وقت آٹھ ہزار تھی جنرل گلبرٹ صاحب کے پاس بمقام مانکیانوالہ حاضر ہوا اور اپنی تلوار جنرل صاحب کے روبرو رکھ دی۔اس کے بعد تمام سکھ سرداروں اور سپاہیوں نے یکے بعد دیگرے اپنی اپنی تلواریں اور اسلحہ جنرل صاحب کے حضور رکھ دیے اور ان کے اسلحے کا ایک بڑا انبار ہوگیا''۔(۳)

پنجاب پر قبضہ کے فوراً بعد انگریزوں نے پنجاب شناسی کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔انگریزوں کی پنجاب میں دلچسپی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سکھ دور خصوصاً رنجیت سنگھ کے چالیس سالہ دورِ حکومت میں پنجاب کے بارے میں وسیع معلومات حاصل کرنے کے امکانات بہت محدود تھے۔دوسرے یہ کہ سکھ دور میں پنجاب میں وارد ہونے والے سیاحوں کی تحریریں مقدار میں کم ہونے اور اشاعت پذیر نہ ہونے کی وجہ سے محققین کی دسترس سے دور تھیں۔یہی وجہ ہے کہ ۱۸۶۴ کے فوراً بعد انگریزوں نے پنجاب کے بارے میں وسیع پیمانے پر معلومات جمع کرنا شروع کردیں۔مورخین کی سرپرستی کی گئی اور اچھے علمی کاموں پر انعامات سے بھی نوازا گیا۔(۴)

انگریزوں کی یہ نوازشیں صرف علمی کام کرنے والوں تک محدود نہ تھیں انہوں نے ادب خصوصاً شاعری کے ذریعے اہلِ پنجاب کے مزاج بدلنے کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔

آبادکاروں کے نزدیک ادب غلامانہ ذہنیت کی پرداخت میں کلیدی کردار کا حامل رہا ہے۔آبادکاروں نے زبان کو ہمیشہ ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ہندوستان میں برطانوی سامراج کا آلہ کار بننے والی زبان اردو تھی۔انگریز سامراج نے اسے قلعہ معلی کی چار دیواری سے نکال کر اپنی لونڈی بنایا اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے گلی گلی محلے محلے میں عام کر دیا۔فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کر کے اسے پست ثابت کرنے کے لیے ''پڑھیں فارسی بیچیں تیل'' جیسے محاورات کو رائج کیا اور اس زبان کے ادب کو قلم زد کر دیا اور ہندوستانی ادب کو جہالت اور کم عقلی کی پیداوار قرار دیا گیا۔انگریزی اصناف کو نہ صرف متعارف کرایا گیا بلکہ ان کی ترویج کے ذریعے اپنے ادب اور اصنافِ ادب کی آبیاری کی گئی۔انگریز کی آمد سے قبل ہندوستان میں نثری ادب ملفوظات اور داستان کی صورت اور شعری ادب غزل،قصیدہ اور مثنوی کی صورت ارتقا پذیر تھا۔'استعماری دور میں دوسری دیسی زبانوں کی طرح اردو میں بھی نئی نثری اور شعری اصناف کا آغاز ہوا۔انگریز کی آمد سے قبل پنجاب میں بھی اردو کی روایت موجود تھی۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے بقول'اردو کی روایت اور تاریخ میں پنجاب اسی طرح شامل ہے جس طرح انسانی رگوں کے اندر دوڑتے تازہ خون میں سرخ وسفید جسیمے۔محققین نے پنجاب میں اردو کی نثری اور شعری رویت کا کھوج لگایا ہے۔حافظ محمود شیرانی اپنے مضمون ''پنجاب میں قدیم اردو ادب'' میں پنجاب کے ساتھ اردو کے روابط کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''پنجاب کے ساتھ اردو کے تعلقات،جہاں تک آثار وقرائن سے پایا جاتا ہے،قدیم زمانہ سے قائم

معلوم ہوتے ہیں جب دسویں ہجری میں دیسی زبانوں میں ادبی تحریک شروع ہوتی ہے،اہلِ پنجاب بھی اپنی مقامی زبان یعنی پنجابی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں مگر ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو زبان میں بھی دلچسپی لیتے رہے ہیں۔''(۵)

پنجاب میں اردو شاعری کی ویسی کسی مضبوط روایت کا سراغ تو نہیں ملتا جیسی دکن، دہلی اور لکھنو میں قائم تھی ۔مختلف محققین کے مطابق پنجاب میں جن شعرا نے اردو شاعری کی ترویج میں اپنا کردار ادا کیا ان میں سے غلام محی الدین بن شیخ محمد یوسف،شاہ غلام قادر،احمد بخش یکدل،مولوی غلام حسین،احمد سرہندی،فیض بخش فیض، دیوان امرناتھ اکبری،مفتی غلام سرور لاہوری، مولوی نور احمد چشتی، مصر رام داس، مولوی محمد علی پر دل چشتی، مولوی پارس علی،وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔حافظ محمود شیرانی نے پنجاب میں اردو کے دوقدیم دبستانوں کا سراغ لگایا ہے۔پہلے کا تعلق بٹالہ اور دوسرے دبستان کا تعلق ہریانہ سے ہے۔سکھوں کے دور خاص طور پر رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں بھی علم و ادب کی ترویج ہوئی لیکن اس دور میں پنجابی زبان و ادب نے تیزی سے فروغ پایا لیکن اردو زبان کا کوئی خاص کارنامہ اس دور کی یادگار نہیں ہے۔

انگریز سامراج نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک نئ پنپتی ہوئی زبان اردو کی ترویج میں خاص دلچسپی لی۔خاص طور پر اردو کی اشاعت کے لیے ۱۸۰۰میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔1837میں مسلمانوں کی زبان فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کردی۔1857 میں مغل حکومت عبرتناک انجام سے دو چار ہوئی،1858میں ایسٹ انڈیا کمپنی انگریز سرکار کے مقاصد کو تکمیل کا لبادہ پہنا کر ختم ہوگئی اور ہندوستان میں ملکہ وکٹوریہ کا راج قائم ہوگیا۔اس راج کے باقاعدہ قائم ہونے سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے قریباً سبھی اہدوف کو پورا کرلیا تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہداف میں سے ایک اہم ہدف اردو زبان اور ادب کی ترویج و اشاعت بھی تھا۔پنجاب میں بھی اردو زبان و ادب کے فروغ میں ایسٹ انڈیا کمپنی پیش پیش رہی۔حافظ محمود شیرانی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''پنجاب کے ساتھ اردو کے تعلقات کی کہانی ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد سے شروع ہوتی ہے،جب کمپنی سیاسی اغراض کی بنا پر اپنے مقبوضات میں اردو کی ترویج و اشاعت کی موید تھی۔''(۶)

ایسٹ انڈیا کمپنی کے خاتمے اور ۱۸۵۷ میں پورے ہندوستان پر قبضے کے بعد انگریز سرکار کے لیے سیاسی اغراض و مقاصد کی تکمیل بہت آسان ہوگئی۔۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت تک پنجاب پر انگریزوں کی حکومت کو قائم ہوئے قریباً آٹھ برس ہوچکے تھے،ان آٹھ برسوں میں انگریز پنجاب میں امن قائم کرنے اور اہلِ پنجاب کو ذہنی غلام بنانے میں کافی حد تک کامیاب ہو چکے تھے،اسی لیے انگریزوں کو ۱۸۵۷ میں پنجاب میں کسی بڑی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ہندوستان پر مکمل تسلط کے بعد پنجاب ،انگریزوں کی نئ پالیسوں کو آزمانے کے لیے زرخیز ترین سرزمین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے باقی ہندوستان کی بہ نسبت پنجاب میں بڑی تیز رفتاری سے مختلف ترقیاتی کام کیے۔،خاص طور پر علم دوست پالیسیوں کے ذریعے اہلِ پنجاب کے دلوں اور دماغوں کو مسخر کرتے چلے گئے۔اسی سر زمین پر 'جدید اردو شاعری' کی بنیاد پڑی جس کی آڑ میں اردو کلاسیکی شاعری کی روایت کے انہدام کی کوششیں شروع ہوئیں،یہ وہی کوششیں ہیں جنکا سراغ حالی کے مذکورہ بالا شعر سے ملتا ہے۔استعمار کی حکمرانی کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی رہا ہے کہ 'کالونیوں' کو ذہنی غلام بنانے کے لیے مقامی باشندوں کو بطور 'مشینری' استعمال کیا جائے۔اس ضمن میں لارڈ میکالے کا **"Minute of Indian Eduacation"** ۱۸۳۵ کا یہ بیان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جس میں اس نے برٹش حکام کے لیے لازم قرار دیا کہ ہندوستان میں مقامیوں کی ایسی جماعت پیدا کرے جو رنگ روپ سے ہندوستانی اور ذوق سے انگریز ہوں۔پنجاب میں بھی یہی حربہ آزمایا گیا۔جدید اردو

شاعری کی ترویج کے لیے چند مقامی 'عالی دماغوں' کی ایک 'مشینری' تیار کی گئی اوراسے کمال مہارت سے 'سیاسی اغراض و مقاصد' کے حصول کے لیے استعمال میں لایا گیا۔اس کے لیے جو پلیٹ فارم تیار کیا گیا وہ تاریخ کے اوراق میں ''انجمنِ پنجاب'' کے نام سے رقم ہے۔پنجاب میں اردو شاعری کی نئی صورت گری کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔عارف ثاقب کے مطابق یہ انجمن اپنے وسیع تر تناظر میں مختلف امور کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔اس زمانے میں بہت سی ادبی انجمنوں میں سے ایک انجمنِ پنجاب ہی ایسی تھی جس نے آگے چل کراردو ادب پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔(عارف ثاقب،انجمنِ پنجاب کے مشاعرے،الوقار پبلیکیشنز،لاہور،۱۹۹۵،ص۲۲)انجمنِ پنجاب کا قیام ۱۸۶۵ میں عمل میں آیا۔جس کا مکمل نام'' Society For The Diffarsion Of Useful Knowledge in The Punjab''اردو میں اس کا ترجمہ ''انجمن اشاعتِ مطالبِ مفیدہ پنجاب'' کے نام سے کیا گیا ہے۔یہ علومِ مفیدہ کیا تھے؟ ان کے درپردہ کون سے ایسے مفادات تھے جو سلطنتِ برطانیہ کو عزیز تر تھے۔نو آبادیاتی مطالعہ کرنے والا طالبعلم یہ فہم ضرور رکھتا ہے کہ برطانوی استعمار کے پیشِ نظر صرف اور صرف وہ مفادات تھے جو کہ برطانوی سلطنت کے لیے اہم تھے،ان کے پیشِ نظر نہ تو مقامی لوگوں کے مفادات کا حصول تھا اور نہ ہی انہیں ترقی کے راستے پر گامزن کر کے شعورِ زیست سے آشنا کرنا۔برطانوی ہرکاروں میں سے کوئی ایک بھی کسی لمحے ان مفادات کو نظر انداز کرنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا جن کی خاطر وہ سات سمندر پار دیارِ غار کی خاک چھان رہے تھے۔ان علومِ مفیدہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں کہ:

> '' حقیقت یہ ہے کہ علومِ مفیدہ ایک اصطلاح سے زیادہ ایک فوق تصور ہے۔۔۔دوسرے الفاظ میں علومِ مفیدہ کا تصور یورپی استعمار کاروں کا خود اپنے مئوقف یا پوزیشن سے تشکیل دیا گیا تصور ہے۔لہٰذا انجمنِ پنجاب نے جن علومِ مفیدہ کی اشاعت کو اپنا مطمحِ نظر بنایا تھا،ان کی افادیت کا تصور نہ تو اہلِ پنجاب نے تشکیل دیا تھا نہ اہلِ پنجاب کے نقطۂ نظر سے تشکیل دیا گیا۔مگر اس میں اہلِ پنجاب کو باور کرانے کی پوری صلاحیت تھی کہ یہ ان کے حق میں مفید ہے''(۷)

ان مفادات کی جھلک انجمنِ پنجاب کے جاری کردہ درج ذیل اغراض و مقاصد میں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔جن کا ذکر ڈاکٹر صفیہ بانو نے اپنے مقالے''انجمنِ پنجاب : قیام ،مقاصد اور تحریک''میں کیا ہے۔لکھتی ہیں:

۱۔ قدیم مشرقی علوم کا احیاء اور لسانیات،بشریات،تاریخ اور ہندوستان اور ہمسایہ ملکوں کے آثار قدیمہ کے بارے میں تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی۔
۲۔ دیسی زبانوں کے ذریعے عوام میں تعلیم کا فروغ۔
۳۔ صنعت اور تجات کی ترقی۔
۴۔ معاشرتی،ادبی،سائنسی اور عام دل چسپی کے سیاسی مسائل پر تبادلۂ خیالات،حکومت کے تعمیری اقدامات کو مقبول بنانا،ملک میں وفاداری اور مشترکہ ریاست کی شہریت کے احساس کو فروغ دینا اور عوام الناس کی خواہشات اور مطالبات کے مطابق حکومت کو تجاویز پیش کرنا۔
۵۔ مفادِ عامہ کے تمام اقدامات میں صوبے کے تعلیم یافتہ اور با اثر طبقوں کو حکومت کے افسروں سے قریب تر لانا۔(۸)

برطانوی حکومت نے جن مقاصد کے حصول کے لیے برِصغیر کی وسیع سلطنت میں قدم رکھا بلا شبہ ان کی جھلک مزکورہ بالا مقاصد میں دیکھی جا سکتی ہے۔۔انجمن کے تمام تر معاملات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ''انجمن پنجاب'' کو قدم

قدم پر سرکار کی نہ صرف رہنمائی بلکہ سرپرستی بھی حاصل رہی۔مذکورہ بالا مقاصد وہ ہیں جن کا اعلان حکومتِ برطانیہ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ان کے پسِ پردہ جو عوامل بھی کارفرما تھے وہ استعمار کی حکومت کو تقویت پہنچانے والے،ان کے اقتدار کو مضبوط اور طویل کرنے والے تھے۔ان مقاصد کی تکمیل کے لیے جس مقامی طبقے کو بطورِ ہتھیار استعمال میں لایا گیا وہ با اثر اور تعلیم یافتہ طبقہ تھا۔جس کا اثر ونفوذ مقامی لوگوں پر زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔مغربی طرز پر شعرو ادب کی آبیاری اور استعمار کے مقاصد کی تکمیل کے لیے جن ُعالی دماغ' ادبی شخصیات کا انتخاب کیا گیا ان میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین کے نام سرِ فہرست تھے۔ان کا شمار سرسید احمد خان کے ساتھیوں میں ہوتا تھا۔سرسید احمد خان چند مصلحتوں کی بنا پر نہ صرف انگریزوں کے ہم آواز تھے بلکہ مغربی تہذیب وثقافت اور تعلیم کی ترویج میں بنیادی کردار بھی ادا کر رہے تھے۔اردو زبان و ادب کی ترویج بھی سرسید اور ان کے رفقا کار کی مرہونِ منت تھی۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

''سرسید اور ان کی جماعت کے لوگوں نے اردو کو جو علمی اعتبار سے اس وقت ایک بے مایہ زبان تھی تھوڑے عرصے میں اعلیٰ جواہر ریزوں سے مالا مال کر دیا۔''(۹)

پنجاب میں جدید اردو شاعری کی صورت گری میں مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی نے ڈاکٹر لائٹنر کی زیرِ سرپرستی اہم کردار ادا کیا۔انجمنِ پنجاب کے تحت جدید طرحی مشاعروں کا آغاز کیا گیا۔ان مشاعروں کے آغاز کے متعلق عارف ثاقب لکھتے ہیں کہ

''ڈاکٹر لائٹنر جو مشرقی زبانوں کے ماہر تھے ،انہوں نے مولانا آزاد کے مشورے سے جدید مشاعروں کی بنیاد رکھی۔کرنل ہالرائیڈ سرشتہ تعلیم پنجاب نے انجمن پنجاب کی سرپرستی قبول کی اور ڈاکٹر لائٹنر اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے۔''(۱۰)

پہلے مشاعرے کا انعقاد اپریل۱۸۷۴ء میں ہوا اس مشاعرے کی اہم دستاویز محمد حسین آزاد کی وہ تقریر ہے جس میں انہوں نے اردو کلاسیکی شاعری کو مبالغہ،بلند پروازی،لفاظی،قافیہ آرائی اور تشبیہ و استعارہ کی معرکہ آرائی قرار دے کر نہ صرف یکسر رد کر دیا بلکہ اپنی نظم کو خالی ہاتھ ہونے کی بنا پر مغربی نظم کی طرف ہاتھ بڑھانے کا مشورہ بھی دیا۔آزاد کا ایک ایک لفظ ان کی مغرب پسندی کا آئینہ دار ہے۔

''ذرا آنکھیں کھولیں گے تو دیکھیں گے کہ فصاحت و بلاغت کا عجائب خانہ کھلا ہے۔جس میں یورپ کی زبانیں اپنی اپنی تصانیف کے گلدستے ،ہار،طرے ہاتھوں میں لیے کھڑی ہیں اور ہماری نظم خالی ہاتھ الگ کھڑی منہ دیکھ رہی ہے ،لیکن اب وہ بھی منتظر ہے کہ کسی صاحب میں ہمت ہو جو میرا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھے۔''(۱۱)

یہ ہے وہ اعلامیہ جس کے نتیجے میں اردو کلاسیکی شاعری جو اپنی شاندار روایات کی حامل تھی اب خالی ہاتھ ثابت کی جا رہی تھی اور اسے کاسہ تھامے مغرب سے مستفید ہونے کے مشورے دیے جا رہے تھے۔آزاد کی اس تقریر میں برطانوی استعمار کے اغراض و مقاصد کی بازگشت واضح طور پر سنی جا سکتی ہے جس کے تحت رنگِ قدیم پھیکا پڑتا جاتا ہے اور رنگِ جدید(مغربی) پھیلتا اور غالب ہوتا چلا جاتا ہے۔

''ان اجتماعات کا مقصد یہ ہے کہ عشق و محبت کے موضوعات اور کسی حکمران کی تعریف پر مشتمل شاعری سے قطع نظر نظمیں کہنے اور ان کے ترجمے کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔تاہم انہیں بالکل نظر انداز بھی نہ کیا جائے۔''(۱۲)

ان مقاصد کے منظرِ عام پر آنے سے خاص طور پر مشاعروں کے خلاف شدید ردِعمل بھی سامنے آیا۔اس عہد کے چند اخبارات میں 'انجمنِ پنجاب' کے خلاف مضامین بھی لکھے گئے۔جن میں اردو شاعری پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے مذکورہ بالا اعتراض کہ اردو شاعری محض عشق و عاشقی کے مضامین اور خوش آمدی قصائد پر مشتمل ہے کے جواب میں ''سر شتہ تعلیم اودھ'' کے شمارے میں جواب دیا گیا کہ:

> ''اردو نظم کا حصہ مضامینِ عاشقانہ ہرگز نہیں ۔ہر قسم اور ہر رنگ کے مضامین اس عمدگی اور لطافت کے ساتھ نظم ہو چکے ہیں اور نظم ہوتے جاتے ہیں کہ اگر سو کمیٹیاں ایسی مقرر ہوں ،اور سو برس تک ایسی بے سود کوششیں کریں اور لاکھوں روپیہ انعام دیں تو بھی اس سے بہتر نظم نہ ہو سکے۔''(۱۳)

استعماری طاقتوں کا ایک حربہ یہ بھی رہا ہے کہ وہ اپنا رنگ رفتہ رفتہ جماتے چلے جاتے ہیں۔ان کا ہر اٹھایا جانے والا قدم کسی خاص منصوبہ بندی کا مرہونِ منت ہوتا ہے،آباد کاروں کا ہر قدم انہیں منزل سے قریب تر اور کالونیوں کے 'کالوں' کو ان کی منزل سے دور کرتا چلا جاتا ہے۔یہ سب اقدام ایسے غیر محسوس طریقے سے انجام دیے جاتے ہیں کہ غلامانہ ذہن ان تک رسائی کے قابل نہیں رہتے۔ان کے ذہنوں کو فریب دینے کے لیے طرح طرح کے جال بنے جاتے ہیں۔'کالوں' کی' فلاح و بہبود' کے لیے ایسی مہارت سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے کہ' کالے'دور دیس کے'گوروں' کے' احسان مند' ہوتے چلے جاتے ہیں۔انہیں ہر ایک معاملے میں یہی باور کرایا جاتا ہے کہ' آبادکاروں' کا ہر اقدام محض 'نو آبادیوں' کی بہبود کے لیے اٹھایا جا رہا ہے۔ہندوستانیوں کو اپنا احسان مند بنانے کے لیے انجمنِ پنجاب کا ایک مقصد یہ بھی قرار دیا گیا کہ:

> " وسط ایشیا اور ہندوستان کی دیسی اور مشرقی کلاسیکی زبانوں کو ترقی دی جائے۔اس غرض سے سنسکرت ، عربی اور فارسی میں ادبی موضوعات پر بحث و تمحیص اور شاعرانہ طبع آزمائی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔(۱۴)

مذکورہ بالا مقصد سے بظاہر یہی عیاں ہے کہ انگریز نے ہندوستان کی دیسی اور مشرقی کلاسیکی زبانوں کو بھی قدر کی نظر سے دیکھا اور ان زبانوں کے شعر و ادب کی ترویج کے لیے احسن اقدامات اٹھائے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر اس مقصد کے درپردہ عوامل کی نقاب کشائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

> ''نو آبادیاتی حکمران اس بات سے غافل نہیں تھے کہ ہندوستانیوں کے ارفع اور مقدس ادب کی قدر کرنا اور اس ادب کے لیے احترام کے جذبات کے عملی اظہار کے طور پر ان کے احیا کی ادارہ جاتی کوشش کرنا،خطرے سے خالی نہیں تھا،یعنی ہندوستانی اپنی اصل کی طرف لوٹ سکتے تھے،اپنی قدیمی و مستحکم شناخت کے احیا کی متشددانہ کوشش کر سکتے تھے''(۱۵)

مقامی لوگوں کے اذہان کی یہ جکڑ بندی عارضی یا محدود نہ تھی۔اس کا دائرہ صدیوں تک پھیلا ہوا تھا۔انگریزوں کے ہندوستان پر قبضے کے بعد ان کی احسان مندی سے اس دور کے لوگوں کی گردنیں احسان مندی کے جذبات سے جھکی نظر آتی ہیں وہیں ۔وہ انجمنِ پنجاب کے قیام اور مشاعروں کے آغاز کو اہلِ پنجاب کے لیے ایک اور اردو زبان کی ترویج کے لیے بہت مستحسن اقدام قرار دیتے ہیں اور ان کے پسِ پردہ نہاں انگریز کے 'مفادات' تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے۔لیکن احسان مندی کا یہ سلسلہ یہیں نہیں تھم جاتا بلکہ ایک صدی سے زائد کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی عہدِ حاضر کے محققین 'گوروں' کے احسان کے بوجھ تلے دبے نظر آتے ہیں۔انجمنِ پنجاب کی تاریخ ،قیام اور مقاصد پر جس کسی محقق نے بھی قلم اٹھایا ہے اس انجمن کے قیام کو اردو شاعری کی ترویج و اشاعت کا زبردست محرک اور انگریز سامراج کی مفید کاوش قرار دیا ہے۔انجمنِ پنجاب کو'نو آبادیاتی تناظر' میں

دیکھنے کی ایک اہم کوشش ناصر عباس نیر نے کی ہے۔وہ انجمن کے قیام کو نوآبادیاتی لائحہ عمل کی ہی توسیع قرار دیتے ہیں۔

''انجمن کا قیام ۱۸۶۴ء کے تعلیمی مراسلے کی روح کے عین مطابق تھا۔اس مراسلے میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ برِ صغیر کے باسیوں میں یہ احساس عام کیا جائے کہ وہ اپنے معاملات کے خود نگران ہیں۔یہ امر حکومت خود اختیاری(سیلف گورنمنٹ)کے اس نو آبادیاتی تصور کا ایک جز تھا،جو ہندوستانیوں پر خود ان کے طریقوں سے حکومت کرنے کا خالص سیاسی تصور تھا۔انجمنِ پنجاب کے مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ نکتہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔''(۱۶)

مزید لکھتے ہیں:

''انجمنِ پنجاب کا اصلی مقصد ہندوستانی ذہن پر گرفت حاصل کرنے میں موزوں اقدامات تجویز کرنا تھا۔''(۱۷)

انجمنِ پنجاب کے مشاعرے بھی ہندوستانی ذہن پر گرفت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھے۔مشاعروں کی جدید طرز سے لے کر اس کے موضوعات کے انتخاب تک ہر معاملہ انگریز سرکار کا مرہونِ منت تھا۔ان مشاعروں کا سلسلہ صرف شاعری تک محدود نہ تھا بلکہ 'مفید' لیکچر بھی اس کا اہم حصہ تھے۔ان لیکچروں میں انگریز بھی پیش پیش رہتے۔ان لیکچروں میں ''آبادکاروں کی فوقیت و برتری'' اور ''نو آبادیات کی کم حیثیتی اور پستی'' کو اہلِ ہند کے ذہن نشین کرایا جاتا۔مشاعروں سے لوٹنے والے جدید طرز کی شاعری کا تاثر لے کر اٹھتے یا نہیں لیکن ان کے ذہنوں پر انگریزوں کی گرفت مضبوط تر ہوتی چلی جاتی۔یہ کہنا بلا مبالغہ نہ ہو گا کہ مشاعروں کے ذریعے 'آبادکار' ایک ایسا پلیٹ فارم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس کے ذریعے وہ ہندوستانیوں کے ذہنوں کی تربیت اپنے اغراض و مقاد کے تحت کر سکیں۔انہیں بار بار باور کرایا جا رہا تھا کہ:

مثلاً پہلے مشاعرے میں کرنل ہالرائیڈ کی تقریر

''یہ جلسہ اس لیے منعقد کیا گیا ہے کہ نظمِ اردو جو چند عوارض کے سبب تنزل اور بد حالی میں پڑی ہے،اس کی ترقی کے سامان بہم پہنچائے جائیں''(۱۸)

اسی طرح مشاعروں میں پڑھی جانے والی نظموں سے بھی اسی تاثر کو فروغ دیا جا رہا تھا کہ مغرب 'فوق' ہے اور مشرق 'کم تر' ہے۔مولانا محمد حسین آزاد نے مشاعرے میں سنائی جانے والی اپنی نظم ''حبِ وطن'' میں انگریز کی اپنے وطن سے وفاداری کا تذکرہ بڑے شاندار طریقے سے کیا ہے۔وہ اس شعر میں اس طبیب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جس نے ہندوستان میں برطانوی سامراج کی پہلی اینٹ رکھی اور فرخ سیر کے علاج کے صلے میں بظاہر برطانیہ کے لیے تجارت کے لیے اجازت نامہ حاصل کر کے ان کے لیے ہندوستان میں آمد کے راستے کھول دیے۔جب بادشاہ فرخ سیر نے جشنِ صحت منایا اور خوش ہو کر انگریز طبیب کو زر و جواہر کی پیش کش کی اس نے جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر اپنے لیے کچھ لینے سے انکار کرتے ہوئے اپنے اہلِ وطن کے لیے نہر کنارے(کلکتہ)میں تھوڑی سی زمین اور اپنے وطن کے تاجران کے لیے چند سہولیات کی استدعا کی۔آزاد نے اس قصے کو یوں قلم بند کیا ہے

تب عرض کی طبیب نے یوں بادشاہ سے
روشن جلالِ شاہ ہو خورشید و ماہ سے
تھوڑی زمین نواحیِ دریا کنار میں
مجھ کو عطا ہو مملکت شہر یار میں

تا اس طرف جو میرے وطن کے جہاز آئیں
اور ان میں تاجرانِ ذوی الامتیاز آئیں
ہر چند اسے نہ فائدہ سیم و زر ہوا
پر نفع بہرِ اہلِ وطن کس قدر ہوا
دامن میں اک عطائے خداداد پڑ گئی
اور سلطنت کی ہند میں بنیاد پڑ گئی(۱۹)

محمد حسین آزاد کی طرح مولانا الطاف حسین حالی بھی مغرب سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ان کی نظم ''حبِ وطن''میں بھی ایسے کئی اشعار ملتے ہیں جن میں انگریز پرستی اور انگریز پسندی نمایاں ہے۔وہ نادر کے ساتھ ساتھ محمود غزنوی کو بھی غاصب قرار دیتے ہیں اور انہیں عذابِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ انگریزوں کے ہندوستان پر قبضے کو اہلِ ہند کے لیے ایک 'انعام' تصور کرتے ہیں اور اہلِ ہند کے ذہنوں میں بھی یہ خیال راسخ کرنے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں کہ مغرب کی یہ قوم ان کے لیے ''مسیحا''بن کر آئی ہے اور ان کا ہر اقدام اہلِ ہند کی ترقی اور بہبود کے لیے ہے۔

کبھی نادر نے قتلِ عام کیا
کبھی محمود نے غلام کیا
سب سے آخر کو لے گئی بازی
ایک شائستہ قوم مغرب کی
یہ بھی تم پر خدا کا تھاانعام
کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام (۲۰)

انگریزوں نے ہندوستان پر غلبے کے ساتھ ہی اس سرزمین میں اپنی تہذیب و ثقافت کے ایسے بیج بونا شروع کر دیے جن کی فصل اہلِ ہند کے لیے کسی خارستان سے کم نہ تھی۔دور اندیش اہلِ ہند اس تہذیب سے نہ صرف خائف تھے بلکہ اسے اپنی قوم کے لیے سمِ قاتل بھی قرار دے رہے تھے لیکن استعماری طاقتوں نے کمال ہوشیاری سے زہر کی یہ گولیاں شہد کے ساتھ اہلِ ہند کی رگوں میں اتارنے کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی ۔اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہیں حالی جیسے عالی دماغوں کی خدمات حاصل تھیں۔اسی لیے وہ سرزمینِ ہند پر جنم لینے والے شفا خانوں،علم و حکمت کے مراکز اور کلبوں کو ہندوستان کی ترقی سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نت نئے کھلتے ہیں دواخانے
بنتے ہیں سینکڑوں شفاخانے
اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم
مبحثِ حکمت و ادب قائم (۲۱)

ہندوستان میں مغربی تہذیب و ثقافت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے استعمار نے خاص طور سے ہندوستانی ادب کا انتخاب کیا ۔نئے پودوں کی جگہ بنانے کے لیے پرانے درختوں کو یہ کہہ کر جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا کہ ان کے پھل بد مزہ، ناگوار اور گلے سڑے ہیں۔اس کے تحت ہندوستان کی صدیوں میں نشوونما پانے والی کلاسیکی شاعری کو اخلاق باختہ، بے کار اور وقت کا زیاں قرار دے کر نئی شاعری کی بنیاد رکھی گئی جو استعمار کے مفادات کے عین مطابق تھی۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنے تحقیقی مقالہ ''انجمن پنجاب کی شعری تحریک۔سیاسی، سماجی اور تہذیبی پس منظر''میں انجمن پنجاب کے قیام کے محرکات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ان مفادات و مقاصد کی نشاندہی کی ہے جو استعمار کے پیشِ نظر تھے۔لکھتے ہیں:

''انجمن پنجاب کے ان مشاعروں کا مقصد اردو شاعری کو ایک شریف ،اخلاق آمیز رومانوی اور فطرت پسند شاعری کا تصور دینا تھا،اور یہ تصور اس دور کی برطانوی سیاست کے سیاسی اور تہذیبی تقاضوں کے عین مطابق تھا۔''(۲۲)

محققین نے انجمنِ پنجاب کے تحت ہونے والے مشاعروں کی کل تعداد دس بتائی ہے۔جن کے عنوانات برسات،زمستان،امید،حبِ وطن،امن، انصاف،مروت، قناعت،تہذیب اور شرافتِ انسانی تھے۔ ان موضوعات کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر نیر عباس نیر لکھتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے آشوب کے بعد برطانوی استعمار برِ صغیر میں امن ،حب الوطنی، امید، انصاف، مروت، قناعت اور تہذیب کے اپنے تصورات کا فروغ چاہتا تھا یا ان سے متعلق روایتی ہندوستانی تصورات کی اپنے حق میں اشاعت چاہتا تھا۔۔۔انجمنِ پنجاب ،نیچرل شاعری میں جن تصورات و حقائق کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی چاہتی تھی،ان کے لیے تمثیلی پیرایہ از حد موزوں تھا۔اس پیرائے میں حب وطن،انصاف،تہذیب وغیرہ کے بنے بنائے تصورات کی مؤثر ترجمانی کی قابلِ رشک اہلیت تھی۔''(۲۳)

انجمنِ پنجاب کے تحت ہونے والے مشاعرے زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکے اور دسویں مشاعرے کے بعداردو کو''نیچرل شاعری'' کی 'دولت' سے مالا مال کر کے اختتام پذیر ہوگئے۔اس کی ایک بڑی وجہ تو انجمنِ پنجاب کے خلاف ہونے والی شدید مخالفت اور تنقید تھی جس کا سامنا مشاعرے منعقد کروانے والوں کو اوائل ہی سے رہا تھا۔دوسری بڑی وجہ ان مشاعروں میں پڑھی جانے والی نظموں کی فکری وفنی کمزوری تھی ۔لیکن اصل وجہ غالباً یہ تھی کہ انگریز سامراج اپنے مقاصد کی تکمیل میں کافی حد تک کامیاب ہو چکے تھے۔لہٰذا مشاعرے صرف ایک سال جاری رہنے کے بعد ختم ہو گئے۔لیکن ان مختصر مدت کے مشاعروں نے اردو شاعری پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے بقول:

''انجمنِ پنجاب کی ایک اہم 'خدمت' یہ ہے کہ اس نے جدید اردو شاعری کا تصور تشکیل دیا اور اس تصور کے تحت نئی طرز کی شاعری تخلیق کرنے کی تحریک برپا کی۔جدید اردو شاعری کا تصور اس اعتبار سے یک سر نیا تھا کہ اس میں تخلیق وتنقید کی وہ درجہ بندی الٹ دی گئی تھی جو کلاسیکی مشرقی شعریات میں موجود تھی۔اس شعریات میں شاعری / تخلیق مقدم اور اس کی تفہیم ومحاکمہ ثانوی تھا۔۔۔انجمن پنجاب نے شاعری کے تنقیدی تصور کو مقدم کیا اور تخلیقِ شعر کو اس کے تابع کرنے کا اقدام کیا۔''(۲۴)

عارف ثاقب نے اپنی کتاب''انجمنِ پنجاب کے مشاعرے''میں ان مشاعروں کی خوبیوں اور خامیوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔انہوں نے مشاعروں کے محاسن کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے:

''چند ایک خامیوں کے باوجود اردو نظم کی تحریک میں ان شعراء کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ان شعراء نے اردو نظم میں اضافے بھی کیےاور مضامین و اظہار میں تنوع بھی پیدا کیا۔قومی،ملی اور حب الوطنی کے شعور و جذبات کو اولین نمونے انہیں شاعروں نے پیش کیے جو بعد میں اقبال کی شاعری کے افق پر نمودار ہوئے۔اقبال کے جذبۂ حب الوطنی پر انہیں شاعروں کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ مشاعرے محض عجائبات میں رکھی ہوئی اشیاء کے مترادف نہ تھے، بلکہ اپنے عہد سے بہت آگے سنی جانے والی ایک سچی آواز تھے۔''(۲۵)

انجمنِ پنجاب کے قیام کی غرض و غایت خواہ کچھ بھی ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انجمنِ پنجاب نے نہ صرف پنجاب بلکہ سارے ہندوستان میں ایکا یک شعری و علمی انقلاب برپا کر دیا، پنجاب یونیورسٹی جیسے اداروں کے قیام سے تعلیم کو تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔مشاعروں کے ذریعے شاعری میں فکری و فنی اضافے ہوئے اور جدید شاعری کے لیے راہ ہموار ہوئی۔انجمنِ پنجاب کی تقلید میں مزید کئی انجمنیں قائم ہوئیں۔اردو شاعری کا تصور بدل گیا۔شاعروں کے لیے فکر وفن کے نئے در وا ہوئے ،اہلِ پنجاب نے شاعری کے ذریعے تحریکِ آزادی کو مہمیز دی۔

☆☆☆

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ممتاز گوہر، پنجاب میں اردو ادب کا ارتقا، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۷،ص ۲۵

۲۔ کنہیا لال، تاریخ پنجاب،، لاہور، تخلیقات، س۔ن، ص ۳۹۴

۳۔ سید محمد لطیف، تاریخِ پنجاب مع حالات شہر لاہور، لاہور، بک ٹاک، ۲۰۰۲،ص ۳۸۶

۴۔ ڈاکٹر ممتاز گوہر، پنجاب میں اردو ادب کا ارتقا،ص ۱۰۶۔۱۰۷

۵۔ فتح محمد ملک، مرتب، پاکستان میں اردو، ج ۴: پنجاب، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶،ص ۳۲

۶۔ حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، مرتبہ محمد اکرام چغتائی، لاہور، سنگِ میل، ۲۰۰۵،ص ۳۴۲

۷۔ ناصر عباس نیر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، کراچی، اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۳،ص ۱۶۲

۸۔ فتح محمد ملک، مرتب، پاکستان میں اردو،ص ۴۴۱

۹۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، اسلام آباد، ۱۹۹۴،ص ۵

۱۰۔ عارف ثاقب، انجمن پنجاب کے مشاعرے، لاہور، الوقار پبلشرز، ۱۹۹۵،ص ۳۲

۱۱۔ ڈاکٹر ممتاز گوہر، پنجاب میں اردو ادب کا ارتقا،ص ۱۳۵

۱۲۔ اشفاق انور، انجمن پنجاب کے مقاصد اور قواعد، مشمولہ صحیفہ، ۱۹۶۷،ص ۸۶

۱۳۔ عارف ثاقب، انجمن پنجاب کے مشاعرے،ص ۴۵

۱۴۔ اشفاق انور، انجمن پنجاب کے مقاصد اور قواعد،ص ۸۶

۱۵۔ ناصر عباس نیر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں،ص ۱۶۶

۱۶۔ ایضاً،ص ۱۵۹ ۱۷۔ ایضاً،ص ۱۶۰

۱۸۔ عارف ثاقب، انجمن پنجاب کے مشاعرے،ص ۳۵

۱۹۔ ایضاً،ص ۲۹۷ ۲۰۔ ایضاً،ص ۳۱۳۔۳۱۴

۲۱۔ ایضاً،ص ۳۲۰۔۳۲۱

۲۲۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، نئے شعری تجزیے، لاہور، سنگِ میل، ۱۹۷۸،ص ۴

۲۳۔ ناصر عباس نیر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں،ص ۱۸۲۔۱۸۳

۲۴۔ ایضاً،ص ۱۶۸ ۲۵۔ عارف ثاقب، انجمن پنجاب کے مشاعرے،ص ۵۶